اردو میں انشائیہ نگاری کی روایت

یہ ایک غلط فہمی ہے کہ انشائیہ سے مراد محض وہ تحریر ہے جو قاری کو صرف ہنسائے گدگدائے، یا پھر ایسی تحریر جس میں فقط طنز اور مزاح کا پہلو ہو، لیکن ایسا نہیں ہے انشائیہ ایک مضمون کی ہی شکل ہے لیکن یہ مقالہ، سوانح، خاکہ وغیرہ کی نوعیت سے قدر مختلف ہے، مضمون کے عناصر تو اس میں بھی ہوتے ہیں البتہ اس کے طرزِ تحریر میں شوخی اور طنز و ظرافت کا بھی پہلو شامل ہوتا ہے۔ بلکہ انشائیہ میں مضمون کی خاصیت اور اس کے عناصر کی شمولیت کے علاوہ ضروری ہے کہ اس کا نثر دلچسپ اور رنگین ہو، موضوع کے تحت بات سے بات پیدا کی گئی، جس کے صحتِ مضمون سے دلکشی اور رعنائی ٹپکتی ہو تحریر میں اس قدر جاذبیت ہو کہ وہ قاری کو مسحور کردے اور اسے ایک نشست میں مضمون پڑھنے پر مجبور کردے۔ طنز اور مزاح تو اس کے ذیلی عناصر اور اسلوب تحریر کا ایک وسیلہ ہے جس سے فنکار مضمون میں بالواسطہ طریقہ کار سے اصلاحی کام لیتا ہے۔ ورنہ جو تحریر فقط طنز یا مزاح لیے ہوئے ہو اس کی کوئی ادبی حیثیت ہے ہی نہیں تو وہ صنف کے درجے تک کب پہنچ سکتی ہے۔ جب کہ انشائیہ ایک نثری صنف ہے۔

اردو میں انشائیہ جدید صنف نثر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر دو جملے میں کہنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہلکے پھلکے موضوع پر آزادانہ خیال کے ساتھ بغیر کوئی فنی لوازمات کے پیش کردینے کا نام انشائیہ ہے۔ یا دوسرے لفظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انشائیہ ہمارے ذہنی ترنگ کے ذریعہ تخلیقی عمل سے گزرتی ہے۔

اردو میں نثری صنف کے مطالعے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ انشائیہ نہ تو پوری طرح طنزیہ مضمون ہے اور نہ ہی پوری مزاحیہ۔ دراصل طنزیہ اور مزاحیہ اردو میں کوئی صنف کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ دونوں عناصر انشائیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس روشنی میں ہم انشائیہ کی تعریف یوں کر سکتے ہیں کہ ''انشائیہ مضمون کی ایک ایسی قسم ہے جس میں انشائیہ نگار اپنے کسی ذاتی تاثرات اور نظریت کو بے تکلفانہ انداز میں ضبطِ تحریر میں لے آتے ہیں۔ اس میں طنز کا بھی پہلو برائے اصلاح ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ قاری کو گدگدانے کے لئے مزاحیہ انداز اپنایا جاتا ہے۔'' چونکہ اس انداز بیان ہلکا پھلکا ہوتا ہے اس لحاظ سے بعض

ناقدین نے اسے Light Essay بھی کہا ہے۔ دراصل انشائیہ کسی غور و خوض کے بعد وجود میں آنے والا کوئی سنجیدہ یا اہم موضوع پر مشتمل مضمون نہیں ہوتا بلکہ یہ تو ہمارے سماج اور آس پاس کی زندگی کے چلتے پھرتے واقعات کا حصہ ہوتا ہے جسے انشائیہ نگار مزے لے لے کر یا پھر دلچسپ انداز بیان کے ساتھ قاری کے حوالے کرتا ہے۔ وہ بات سے بات پیدا کرتا ہے اور ہر بات کو بالکل انوکھے انداز میں پیش کرتا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ انشائیہ ایک مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن دیگر تحقیق و تنقیدی مضامین کے مقابلے اس میں تھوڑا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ مقالات و تحقیقی مضامین میں مقالہ نگار کوئی بھی بات سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کہتا ہے، اس کے اسلوب میں علمیت کا اظہار ملتا ہے لیکن انشائیہ میں بیان کی رنگا رنگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہاں انشائیہ نگار کسی بھی موضوع و مضمون کو انوکھے اور دلچسپ انداز میں چٹخارے لے لے کر بیان کرتا ہے۔ اس میں طنز اور مزاح کا بھی پہلو ہوتا، علمیت اور سنجیدگی بھی ہوتی ہے اور سب سے بڑی چیز کہ اس فن میں کسی بھی موضوع کو دیکھنے اور اسے پیش کرنے کا انداز انتہائی دلچسپ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر سید محمد حسنین نے انشائیہ کی بہت جامع اور مانع تعریف کی ہے جسے ہم بھی یہاں نقل کرنا چاہیں گے۔ دیکھیے یہ اقتباس :

> " انشائیہ مضمون کی ایک قسم ہے مگر یہ مضمون نہیں جس میں مراسلے کی خیر و خیریت ملتی ہو، یا روئداد کی خشک کاریوں کا حال جس میں رپورتاژ کی پر اثر طائرانہ نگاہی ہوتی ہے خاکہ کے دلچسپ جلووں کی بوقلمونی جس میں مقالہ کی فکر بخش بصارت ہوتی ہے، یا سوانح کی تاریخ وار مرقع نگاری جس میں روزنامچہ کے غیر متعلق بے ربط بیانات ملتے ہوں، یا اداریہ کا کسی عنوان کے پر مسلک کے تحت عامیانہ اظہار خیال۔ مراسلہ روئداد، رپورتاژ، خاکہ، مقالہ، سوانح، روزنامچہ اور اداریہ وغیرہ۔

اور انشائیہ :

> انشائیہ نگاری بھی کسی امر پر روشنی ڈالتا ہے لیکن یہ روشنی رنگا رنگ ہوتی ہے۔ اس میں دھندلکا اور براقی دونوں ہوتی ہے۔ یہ شعاعیں ہماری توجہ کو ایک ہی راستہ پر نہیں لگاتیں .... بلکہ یہ اٹھکھیلیاں کرتی ہیں ....
>
> ....مقالہ پڑھنے کے بعد ہم کچھ سیکھتے ہیں یا کچھ پاتے ہیں۔ ایسی بات یا ایسا خیال جس سے ہماری علمیت کو نئی کوں اضافہ ہوتا ہے جس سے ہماری شخصیت میں تابندگی آتی ہے۔
>
> انشائیہ پڑھنے کے بعد کوئی گم کردہ شے پالیتے ہیں۔ ایسی شے جو روز کی سادہ و سپاٹ زندگی میں آنکھوں سے روپوش رہتی ہے جو زندگی کی ٹھوس اور ناقابل انکار حقیقتوں اور صداقتوں میں اوجھل رہتی ہے۔

بحوالہ" (اردو نثر کا فنی ارتقا" مرتب ڈاکٹر فرمان فتحپوری ص ۲۱۲۔۲۱۳)

میں نے جب انشائیہ نگاری کی تاریخ کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو معلوم ہونے لگا کہ گرچہ ہمارے یہاں ادیبوں کے

مضامین میں ایک عرصے سے انشائیہ کے عناصر موجود ہیں لیکن زمانہ انشائیہ نگاری کی روایت کو باضابطہ طور پر آزادی کے بعد تسلیم کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمارے بزرگانِ ادب کی تحریریں انشائیہ کے لوازمات کو پر نہیں کر رہی ہیں۔ بلکہ ابتدائی عہد کے انشائیوں میں اگر ہم مولانا آزاد، ابوالکلام آزاد کی تحریروں کو دیکھیں تو ان میں بہترین اور عمدہ قسم کی انشائیہ نگاری کا نمانہ موجود ہے۔

لہٰذا اسی باعث میں نے انشائیہ نگاری کی روایت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے :

☆ اردو میں انشائیہ آزادی سے پہلے

☆ اردو امیں انشائیہ آزادی کے بعد

اردو میں انشائیہ آزادی سے پہلے

یہ عرض کرتا چلوں کہ میں جن انشائیہ نگاروں کا ذکر آزادی سے قبل کے زمرے میں کر رہا ہوں ان میں سے بیشتر فنکاروں کا تخلیقی سفر آزادی سے قبل ہی ختم نہیں ہوا بلکہ ان یہ سفر آزادی کے بعد بھی جاری رہا ہے۔ چونکہ اولیت کی حیثیت اور زبان وبیان کے اعتبار سے یہ آزادی کے بعد یا پھر جدید انشائیہ نگاروں سے قدر مختلف ہیں اس لیے میں نے اسے الگ خانے میں رکھا ہے۔ کیوں کہ آپ دیکھیں گے کہ آزادی کے بعد کے انشائیہ نگاروں کے یہاں پہلے کے انشائیہ نگاروں کے مقابلے فنی سطح پر تھوڑی جدت ضرور پیدا ہوئی ہے۔

آزادی سے قبل جو اہم انشائیہ نگار اور اس صنف نثر کے معمار ہیں ان میں محمد حسین آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی، فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، عظیم بیگ چغتائی، فلک پیا، ملا رموزی، محفوظ علی، مہدی افادی، پطرس بخاری اور کنہیالال کپور کے نام زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ مذکورہ شخصیات میں محمد حسین آزاد اور مولانا ابوالکلام آزاد کا شمار اس صنف نثر کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ ان کی بعض وہ تحریریں جسے بعد میں ناقدین نے انشائیہ کے زمرے میں رکھا ہے، اسے خلق کرتے وقت ان کے ذہن میں انشائیہ کا تصور نہیں تھا۔ اسے تو انہوں نے ایک مضمون کی شکل میں خلق کیا۔ زبان وبیان ، اسلوب تحریر اور طنز ومزاح کی آمیزش نے اس میں انشائیہ کا رنگ بھر دیا۔ ورنہ اگر ان بزرگوں کی تحریروں دیکھیں تو وہ خالص ایک انشائیے کی ہی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ ایک عالمانہ اور معلومات سے بھرپور مضمون کی صورت ہے۔

اب ہم ان انشائیہ نگاروں کے حوالے سے اس صنف کی روایت پر گفتگو کریں گے :

محمد حسین آزاد (متوفی ۱۹۱۴ء) : محمد حسین آزاد کے حوالے سے پہلے تو مجھے یہ کہنے دیجیے کہ یہ اردو

ادب میں اس شخص کی حیثیت سے جانا اور پہچانا جاتا ہے جنھوں نے نثر کے نت نئے رنگین انداز ایجاد کیے۔ آزاد سے قبل ہماری اردو نثر اتنی دلکش اور جاذب نظر نہیں تھی۔ ان کی نثروں میں بیک وقت میں انشائیہ، تمثیل، اور ڈرامائی کیفیت بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ''نیرنگِ خیال'' اور ''آبِ حیات'' اس کی عمدہ مثال ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۹۵۴ء) : اردو نثر کے میدان میں مولانا ابوالکلام آزاد کی بہت بڑی دین ہے۔ ویسے تو مولانا اعلانیہ طور پر کوئی باضابطہ طور پر ادبی شخصیت کی حیثیت سے خود کو پیش نہیں کیا لیکن باوجود اس کے اپنی سیاسی اور قید و بند کی زندگی سے وقت نکال کر انہوں اردو نثر کو اسلوب، الفاظ اور زبان و بیان کے اعتبار سے بہت مالا مال کیا ہے۔ ان کی نثر بہت ہی دلکش ہوتی ہے۔ ویسے اگر ہم انشائیہ نگاری کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارے ادب میں ایک عرصے سے موجود ہے لیکن سے بحیثیت انشائیہ آزادی کے آس پاس یا اس کے بعد شناخت ملنا شروع ہوئی۔ میں نے انشائیہ کی تاریخ کو ایک عرصے سے اس لیے کہا ہے کیوں کہ ہم اگر آزادی سے قبل کے کچھ بزرگانِ ادب کی تحریروں کو دیکھیں تو اس میں بھی ہمیں انشائیہ کے عناصر موجود ملتے ہیں جسے آج ہم انشائیہ کے ذیل میں لاتے ہیں۔ مثال کے طور مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک مظمون کا یہ ابتدائی اقتباس ملاحظہ ہو جو انہوں نے ۱۹۰۳ء میں نئے سال کی آمد پر لکھی تھی :

> '' صبح ہوئی، شام ہوئی۔ دن گیا، رات آئی۔ کل چہارشنبہ تھا، آج پنجشنبہ۔ کل اکتسویں تھی
> آج پہلی۔ کل کانوں میں اس مہینے کی آواز آرہی تھی، آج اس مہینے کا ذکر ہے۔ تھوڑا زمانہ
> ہوا کہ دو چار پانچ چھ مہینوں کا شمار ہو رہا تھا۔ سہ ماہی شش ماہی قیمت اخباروں میں بھیجی جا
> رہی تھی۔ لیجیے سال تمام ہوا۔ ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر سب ختم! آج جنوری کی پہلی تاریخ ہے،
> اور ہمارا قلم اپنے نئے سال کے متعلق ایک مضمون لکھ رہا ہے۔ ''

(''مولانا ابوالکلام آزاد فکر و عمل کے چند زاویے''، ڈاکٹر وہاب قیصر، ص ۴۲)

''الوم... نیند کی حقیقت''، اور ''تذکرہ'' میں مولانا آزاد کی انشائیہ نگاری کی بہترین مثال دیکھنے کو ملتی ہیں۔

خواجہ حسن نظامی (متوفی ۱۹۵۵ء) : اردو انشائیہ نگاری کے میدان میں خواجہ حسن نظامی کی حیثیت اوروں سے بالکل مختلف ہے۔ مختلف اس لیے کہ انہوں نے ایسے ایسے موضوع پر قلم اٹھایا اور اتنی عمدہ چیز لکھی کہ ایک خاص ذہن کا مالک بھی اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ ''جھینگر کا جنازہ''، ''دیا سلائی''، ''آنسو لیپ''، ''مچھر'' وغیرہ اس کے اسی نوعیت کے مضامین ہیں۔ ''سی پارہ دل'' ان کے مضامین مجموعہ ہے جس میں ۱۳۲ انشائیے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ''چٹکیاں گدگدیاں'' کے نام سے بھی ان کا اہم مجموعہ ہے۔

''سی پارہ دل'' میں پانچ عنوانات کے تحت مضمین درج ہیں۔

پہلی منزل : عبد و معبود کے راز و نیاز

دوسری منزل : ذوق وشوق عشق ومحبت، سوز وگداز، ارادت وعقیدت

تیسری منزل : سیر دلبراں در حدیث دیگراں

چوتھی منزل : دین وملت

پانچویں منزل : سیاست ومعاشرت، تمدن اور شذرات

خواجہ حسن نظامی ایک صوفی منش طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے مذکورہ بالا کتاب میں دونوں جہاں نازک اور اہم موضوع کو بڑے ہی دلکش انداز میں پیش کیا ہے، نیز ان کی اہمیت اور افادیت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اردو انشائیہ نگاری کے میدان میں خواجہ حسن نظامی کے بعد اتنے سنجیدہ اور عمدہ موضوعات پر کسی نے بھی انشائیے نہیں لکھے، ور آزادی کے بعد تو انشائیہ زیادہ تر فنکاروں کے یہاں صرف فلو اور لفظی بازیگری کا گورکھ دھندہ بن کر رہ گئی۔

پطرس بخاری (متوفی ۱۹۵۸ء) : اردو انشائیہ کو سنجیدگی سے مزاح سے حد درجہ قریب کرنے میں سب سے پہلے پطرس بخاری کا ہی نام آتا ہے۔ پطرس نے سب سے کم انشائیے لکھے اور سب سے زیادہ شہرت کمائی۔ ان کے موضوع گرچہ اتنے سنجیدہ اور متین نہیں البتہ مزاح کے پہلو اور اس کی پیشکش کے فن میں وہ دوسروں سے سبقت لے جاتے ہیں۔ شاید ہی کوئی قاری ہو جو ان کی تحریر پڑھتے ہوئے لوٹ پوٹ نہ ہو جائے۔ انہوں نے ہلکے پھلکے موضوع پر انتہائی دلچسپ انشائیے لکھے۔ ''مرید پور کا پیر''، ''کتے''، ''مرحوم کی یاد میں''، ''ہاسٹل میں پڑھنا''، ''اردو کی آخری کتاب''، ''لاہور کا جغرافیہ''، ''میں ایک میاں ہوں''، ''ہاسٹل میں پڑھنا''، ''سینما کا عشق''، ''انجام بخیر''، ''سویرے جو کل میری آنکھ کھلی''، ''میبل اور میں'' یہ تمام انشائیے بہت ہی مقبول اور کامیاب ہیں۔

مثال کے طور پر ''کتے'' سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

> ''آپ نے خدا ترس کتا بھی ضرور دیکھا ہوگا عموماً جس کے جسم پر تپسیا کا اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جب چلتا ہے تو اس کی مسکینی اور عجز سے گویا بار بنا ہو کا احساس آنکھ اٹھانے نہیں دیتا۔ دم اکثر پیٹ کے ساتھ لگی رہتی ہے سڑک کے بیچوں بیچ غور وفکر کے لئے لیٹ جاتا ہے......... اور آنکھیں بند کر لیتا ہے شکل بالکل فلاسفروں جیسی، اور شجرہ دیوں جانس کلبی سے ملتا ہے۔ کسی گاڑی والے نے متواتر بگل بجایا، گاڑی کے مختلف حصوں کو کھٹکھٹایا، لوگوں سے کہلوایا، خود دس بارہ دفعہ آوازیں دیں تو اپنے سر کو وہیں زمین پر رکھے سرخ مخمور آنکھوں کو کھولا۔ صورت حالات کو ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کسی نے ایک چابک لگا دیا آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اٹھ کر ایک گز پرے جا بیٹھے۔ اور خیالات کے سلسلے کو جہاں سے ٹوٹ گیا تھا، وہیں سے پھر شروع کر دیا۔ ''
>
> (''مضامین پطرس''، پطرس بخاری، ص۔ ۳۱،۳۲)

ہم دیکھ سکتے ہیں پطرس بخاری نے نے مذکورہ بالا مضمون میں کتے کی منفرد خصلتوں کو جن خوبیوں سے متصف کر کے پیش کیا ہے جہاں تک ہمارے سوچ کی رسائی کم ہی ہو سکتی ہے۔ دراصل یہی ایک خاص ذہنی افتاد اور رنگ ہے جو انشائیہ نگار کو دوسرے مضمون نگار سے

الگ رکھتی ہے۔

شوکت تھانوی (متوفی ۱۹۶۳ء) : شوکت تھانوی تقریباً ۶۰ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی پہلی کہانی ''سودیسی ریل'' ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ شوکت تھانوی کو کرشن چندر کی طرح ان کی بسیار نویسی نے تھوڑا نقصان ضرور پہنچایا۔ حالانکہ انہوں نے بہت اچھے اچھے مضامین لکھے اور ادب میں ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھی بھی گئی۔ ان کی اہم تصانیف میں'' موج تبسم''، ''طوفان تبسم''، ''جوڑتوڑ''، ''سوتیا چاہ''، ''کارٹون''، ''مابدولت''، ''اور'' سسرال'' کافی اہم ہیں جن میں انشائیہ نگاری کی ایک اچھی روایت بھی نظر آتی ہے۔

رشید احمد صدیقی (متوفی ۱۹۷۷ء) : میری نظر میں خواجہ حسن نظامی کے بعد اگر اردو انشائیہ کو موضوعاتی اور زبان و بیان کے سطح جلا بخشنے اور اسے عروج پر پہنچانے میں کسی نے اہم رول ادا کیا ہے تو وہ رشید احمد صدیقی ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کے ساتھ میں نے رشید احمد صدیقی کا نام زبان و بیان کے علاوہ موضوعات کے حوالے سے بھی لیا ہے۔ لیکن رشید صاحب اور نظامی صاحب کے یہاں موضوع میں مماثلت نہیں بلکہ اس کی نوعیت اور انتخاب میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یعنی سنجیدگی اور متانت۔ زبان و بیان میں البتہ یکسانیت ہے کہ دونوں کے یہاں آپ کو سنجیدگی ضرور ملے گی۔

رشید احمد صدیقی کا اسلوب کبھی انشائیہ کا لگتا ہے اور کبھی مقالے کا، وہ کسی موضوع پر بات کی شروعات تو گدگدانے اور مزے لینے کے انداز میں کرتے ہیں لیکن اچانک آگے چل کر اتنی سنجیدگی اختیار کر لیتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم انشائیہ پڑھ رہے ہیں یا کوئی تحقیقی مقالہ۔ مثال کے طور ان کا اہم انشائیہ ''ارہر کا کھیت'' دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ آغاز میں تو ارہر کے کھیت کی میں ہونے والے گاؤں کے جھگڑے، عورتوں کے کی کانا پھوسی، دوسروں کی عیب جوئی یا خبر گیری، کسی اہم کام کے متعلق غور و فکر وغیرہ کو انتہائی دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے لیکن آگے چل کر وہ تھوڑا سنجیدگی اختیار کر لیتے ہیں۔

ان کے یہاں انشائیہ بعض اوقات موضوع اور اسلوب بیان کے اعتبار سے اس قدر سنجیدگی اور متانت لیے ہوئے ہوتی ہے کہ اسے ہم فقط انشائیہ کے زمرے میں نہیں رکھ سکتے۔ وہ باتوں ہی باتوں میں سماجی اور معاشرتی زندگی کے اہم مسائل کو ہمارے سامنے بیان کر جاتے اور کبھی کبھی اتنہ کربناک ہوتی ہیں کہ اگر انشائیہ کے تحت اس میں مزاح کا پہلو شامل نہ ہو تو ہمارا دل بے اختیار رو نے لگ جائے۔ مثال کے طور ان کا مشہور انشائیہ ''وکیل صاحب'' کو دیکھا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے نوجوان وکیل کی تنگدستی کو بڑے فنکارانہ چابکدستی اور دلکش اسلوب بیان میں ادا کیا ہے۔ ''وکیل صاحب''، ''چارپائی''، ''گھاگ''، ''ریل کا سفر''، ''الیکشن''، ''ہوٹل میں ریڈیو''، ''ڈاکٹر''، ''عورت''، ''باغ''، ''پروفیسر''، ''شیطان کی آنت''، ''سفر'' وغیرہ ان کے اہم انشائیے ہیں۔ جو فنی اور زبان و بیان کے لحاظ سے کافی کامیاب رہی۔

اب رشید احمد صدیقی کے مشہور انشائیہ ''ارہر کا کھیت'' سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

''ارہر کا کھیت زنانہ پارلیامنٹ ہے۔ کونسل اور اسمبلی کا تصور یہیں سے لیا گیا ہے۔ گاؤں کا چھوٹا بڑا واقعہ

یہاں معرض بحث میں آتا ہے۔فلاں کی شادی کب اور کہاں ہو رہی ہے۔ داروغہ جی کیوں آئے اور کیا لے کر گئے۔ پٹواری کی بیوی نے اس سال کون کون سے نئے زیور بنوائے، رکھیاں کے بچے کیوں نہیں پیدا ہوتے اور بکھیا کے حمل کیسے ٹھہرا۔ ایک نے کہا میری گائے کی بچھیا ہوگی، دوسری بولی پہلوٹھی کی بچھیا ہو چکی ہے اب کے بچھوا ہوگا۔ دوسری بولی پہلوٹھی کی بچھیا ہو چکی ہے اب کے بچھیا ہوگا۔ اس پر اختلاف آرا ہوا اس پر ہمارے لیڈروں کی طرح دونوں بھول گئیں کہ کس شغل میں مصروف تھیں اور اب کیا ہو رہا تھا۔ ایک غوغا بلند ہوا، بھگدڑ مچ گئی، کھیت کے چاروں طرف سے مرد، عورت، بچے، گیدڑ، کتے لومڑی ابن بلاؤ نکلنے بھاگنے لگے۔ جیسے اسمبلی میں بم گرا ہو۔"

("مضامین رشید"، رشید احمد صدیقی۔ ص۔۱۱۰)

انشائیہ آزادی کے بعد

آزادی سے تھوڑا قبل اور آزادی کے بعد اردو انشائیہ نگاری کے میدان میں فنکاروں کی ایک بڑی جماعت ابھر ہمارے سامنے آتی ہے۔ ان میں کچھ فنکار تو ایسے ہیں جنہوں نے مرکزی طور پر دوسرے اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن وقتاً فوقتاً انہوں نے انشائیہ بھی لکھے اور اچھے انشائیے لکھے، ان فنکاروں میں وزیر آغا، جوگندر پال، شہزاد احمد، ابن انشا، منٹو، کرشن چندر، یوسف ناظم، نظیر صدیقی، مسعود مفتی، مظفر علی منظر، فکر تونسوی کے نام کافی اہم ہیں۔ اور دوسرا طبقہ وہ جو زیادہ تر اسی میدان میں قلم برداشتہ لکھتا رہے ان میں کنہیا لال کپور، شوکت تھانوی، مشتاق احمد یوسفی، رستم کیانی، مرزا محمد منور، ابراہیم جلیس، مشکور حسین یاد، احمد جمال پاشا، جمیل آزار، سلیم آغا قزلباش، رام لعل نابھوی، شہزاد احمد، کرنل محمد خان، مشتاق قمر، صدیق سالک، ارشد میر، نریندر لوتھر وغیرہ ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے انشائیہ کو فروغ دیئے اور اس میں بعض اوقات وقت اور حالات کے اعتبار سے اسے نئی سمت عطا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

لیکن خوف طوالت کے باعث ہم تمام انشائیہ نگاروں کا ذکر کرنے سے قاصر ہیں تاہم، جن انشائیہ نگاروں کا مختصراً ذکر کیا جائے گا وہ اس صنف کی ترقی اور اس کے تخلیقی سفر کا احاطہ کرے گی۔

کنہیا لال کپور (متوفی ۱۹۸۰) : جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ انشائیہ نگاری کا فن ذہنی ترنگ کا دوسرا نام ہے یہاں بات سے بات اور خیال سے بھی موضوع کیا جاتا ہے۔ انشائیہ نگار ردی کی ٹوکری سے بھی اپنے لیے اہم مواد تلاش کر لیتا ہے۔ اگر اس نوع کی بہترین مثال دیکھنی ہو تو ہمیں کنہیا لال کپور کے مضامین کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ آزادی کے بعد انشائیہ لکھنے والوں میں کنہیا لال کپور ایک معتبر نام ہے۔ حالانکہ انہوں نے آزادی سے قبل ہی لکھنا شروع کر دیا تھا۔

کنہیالال کپور نے انسان کی ذہن اور اس کی فطرت کو بڑے ہی فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ اپنے مضامین میں سمویا ہے۔ وہ اپنے مظامین کے لیے بہت ہی عام موضوع کا انتخاب کرتے ہیں لیکن اسے اپنے زورِ بیان سے اس درجہ تک پہنچا دیتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا گمان تک نہیں ہوتا کہ اس بات کو بھی اتنے دلچسپ طریقے سے پیش کیا جا سکتا ہے؟ مثال کے طور پر ان کا مشہور انشائیہ ''اخبار بینی''، ''نرم و گرم''، ''بال و پر'' دیکھا جا سکتا ہے۔ ''اخبار بینی'' میں انہوں نے انسانی فطرت کی بہترین عکاسی کی ہے کہ کس طرح انسان مفت کی چیز کا استعمال کس بے دردی کے ساتھ اپنی جاگیر سمجھ کر کرتا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی (متوفی) : ڈاکٹر انور سدید اپنی کتاب ''اردو ادب کی مختصر تاریخ'' میں مشتاق احمد یوسفی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

> '' آزادی کے بعد عظمتِ فن کا سکہ قائم کرنے والوں میں مشتاق احمد یوسفی سب سے مزاح نگار ہیں۔ انہوں نے معاشرے کو ایک خوش فکر شاعر کی نظر سے دیکھا اور سماجی بوالعجبی سے مسرت کشید کر لی۔ ''چراغ تلے'' اور ''خاکم بدہن'' کے مظامین پر شائستہ لطافت غالب ہے۔ ''
>
> (''اردو ادب کی مختصر تاریخ'' ، ڈاکٹر انور سدید ، ص ۵۸۷)

انور سدید کا قول مشتاق احمد یوسفی کے سلسلے سے بہت حد تک درست کہا جا سکتا ہے۔ واقعی انشائیہ کے میدان میں اس فنکار نے اپنی ایک الگ شناخت قائم کی ہے۔ زبان اور اسلوبِ بیان اور موضوع کو برتنے کا ان کا اپنا خاص انداز ہے۔

وزیر آغا : اردو ادب میں وزیر آغا کی شناخت ایک معتبر کی حیثیت سے ہے لیکن انہوں نے انشائیہ بھی لکھے اور اچھے انشائیہ لکھے۔ لیکن ان کے یہاں جو دوسروں سے الگ چیز ہے وہ ہے موضوع اور اس کا انداز بیان۔ وزیر آغا کے انشائیے ادبی مقالے کی حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے اشائیہ میں طنز و مزاح کا استعمال بہت کیا ہے اور اس کے بجائے علمی زبان کا استعمال زیادہ کیا۔ انہوں نے انشائیہ کو تنقید کی طرح دیکھنے اور سوچنے کی کوشش کی یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں انشائیہ میں بھی تنقید کا سا اسلوب آ گیا ہے۔ اردو انشائیہ نگاری میں وزیر آغا کی شخصیت ایک تحریک اور ایک الگ اسکول کی ہے۔ انہیں الفاظ اور زبان و بیان پر زبردست قدرت حاصل تھا، جس کا برملا اظہار ان کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ''چوری سے یاری تک''، ''دوسرا کنارہ'' ان کے اہم انشائیہ ہیں۔

ابراهیم جلیس (متوفی) : ابراہیم جلیس کو بحیثیت انشائیہ نگار پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انہوں انشائیہ کے میدان زیادہ کچھ تو نہیں لکھا لیکن جتنا بھی لکھا ہے اس معیار انشائیہ کے تناسب میں کھرا اترتا ہے۔ ان کے یہاں طنز بھی اور مزاح بھی۔ بعض اوقات ان کے یہاں ہمیں سنجیدہ موضوع بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جیسے کہ ''نیکی کر تھانے جا'' میں بھلائی کے بدلے برائی کا سامنا کرنے کو طنز کا پہلو بنایا گیا ہے۔ انہوں نے معاشی بدحالی اور سماجی عدم مساوات کو زیادہ تر اپنا موضوع بنایا ہے۔

غلام جیلانی اصغر (متوفی) : غلام جیلانی اصغر کا انداز تحریر بہت حد تک پطرس بخاری سے ملتا ہے۔ کیاں کہ ان کے یہاں بھی ہمیں ہر ایک باوار انداز تحریر میں شوخی اور شگفتگی کا احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے انشائیے میں زیادہ تر زندگی سے لطف اندوز ہونے کی ترغیب ملتی ہے۔ قدم قدم پر مسرت اور شادمانی کا احساس ان کے انشائیے کا خاصہ ہے۔ ''چہرے''، ''مکان بنانا''، ''پوتا'' بچہ پالنا'' ان کے اہم انشائیے ہیں۔

احمد جمال پاشا : احمد جمال پاشا کے یہاں جو انفرادیت دیکھنے کو ملتی ہے وہ ان کے واقعات کے مشاہدات کی بنا پر ہے۔ ایک چھوٹے اور بڑے واقعے کو دیکھنے اور اسے قلم کے حوالے کرنے کا زاویہ نظر دوسروں سے قدر مختلف ہے۔ ان کے یہاں کسی تقلید دیکھنے کو ملتی۔ وہ ادب اور سماج کے بعض مسائل اور کمزوریوں کو طنز کے نشتر سے اس قدر کریدتے ہیں کہ قاری قہقہے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ''کپور کا فن'' ان کا اسی نوع کا مضمون ہے جس میں انہوں نے ہمارے اردو ادب کے نقادوں کی دھجیاں اڑائی ہے اور اس کی کمزوری اور بیجا تنقید کو اپنے قلم کے نشتر سے پرچے پرچے کر دیے ہیں۔

انجم مانپوری (متوفی) : ''میر کلو کی گواہی'' اور ''کرائے کی ٹم ٹم'' نے انجم مانپوری کو کافی شہرت دی۔ واقعی ''میر کلو کی گواہی'' میں انجم مانپوری کی بے پناہ ذہنی صلاحیت کی ہمیں داد دینا پڑتی ہے کہ کس طرح ایک کرائے کا گواہ عدالت میں وکیل، جج اور مخالف جماعت کو اپنی باتوں میں الجھا کر کیس کی بازی پلٹ دیتا ہے۔ ''کرائے کی ٹم ٹم'' ان کے ذہنی افتاد اور شوخ طبیعت کی مثال ہے۔ راستے کے نشیب و فراز اور ٹم ٹم کے رقص سے اس کی ہم آہنگی سے انہوں جس طرح کے جملے اور خیال اخذ کیے ہیں وہ ان کی صلاحیت کی دلیل ہے۔ اردو انشائیے کو فنی سطح پر انہوں نے فروغ دینے میں ہم رول ادا کیا ہے۔

علاوہ ازیں جدید انشائیہ نگاری کے میدان قلم کاروں کی ایک طویل فہرست ہے، لیکن خوف طوالت کے باعث ہم دیگر ناموں سے صرف نظر کرتے ہیں تاہم جن انشائیہ نگاروں کا مذکورہ اقتباسات میں ذکر ہوا ہے اس سے اردو میں انشائیہ نگاری کی روایت اور ارتقا پر ایک واضح روشنی ضرور پڑتی ہے کہ کس طرح اس جدید صنف نثر نے فن، ہیئت اور موضوع کے اعتبار سے اپنے ابتدائی اور ارتقائی مراحل طے کیے ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں انشائیہ جو ایک جدید صنف نثر ہے، وہ انیسویں صدی کے آخر میں ہی بعض انشا پردازوں کی تحریروں میں نظر آنے لگی تھی لیکن ایک صنف کی حیثیت سے اسے بیسویں صدی عیسوی میں شناخت ملی۔ اسے ابتدائی دور میں خواجہ حسن نظامی، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، وغیرہ نے مختلف دلچسپ، سنجیدہ اور غدار موضوعات کو بڑے ہی دلکش زبان و بیان کے ساتھ ابتدائی اور ارتقائی مراحل سے گزارا پھر آزادی کے بعد اس صنف میں طبع آزمائی کرنے والوں کی بڑی جماعت نظر آنے لگتی ہے جنہوں نے اس صنف کو فنی اور موضوعاتی سطح پر مستحکم کیا۔ اور اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے

کر ادبِ لطیف میں انشائیہ نے جس قدر ہلکے پھلکے مضامین کے ساتھ ساتھ بعض اوقات متعدد سنجیدہ اور اہم موضوعات کو انشائیے میں بہتر اسلوب بیان کے ساتھ پیش کیا ہے، جیسا کہ خاص طور پر خواجہ حسن نظامی اور رشید احمد صدیقی کے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں وہ ایک طرح سے اردو کے اہم مضامین اور مقالات میں بھی جگہ پانے کے حقدار ہیں۔ کیونکہ ان کے یہاں متعلقہ مضمون میں جس طرح کے تحقیقی اور افادی پہلو نظر آتے ہیں وہ انشائیہ کے ذیل میں ہوتے ہوئے بھی ایک سنجیدہ مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔